بچوں کے حقوق اور ان کی کفالت و پرورش

سیرۃ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر حسنہ بانو
عبداللہ گورنمنٹ کالج برائے خواتین، نارتھ ناظم آباد کراچی

Abstrect

Islam is the only religion that gives right to humans even before their birth then when a child is born, he is known by his religion, by his family and ancestry ancestry two kind.

1-Paternal.

2-Maternal.

Islam ancestry establishes the rights and duties between parents and children.

The basic right of a child is to let it live which was not possible in the dark ages killing a child means killing the whole humanity our religion also stresses on calling a child by ejood and meaningful name.

رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيناً وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا

ہم خوش ہوئے اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے پر۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (۱)

اے میرے رب! مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (۲)

اے میرے پروردگار! مجھ کو اکیلا (یعنی بے اولاد) نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

ہمارا مذہب اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے، جو انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے حقوق کا تعین کرتا ہے، اور جب انسان پیدا ر ہوتا ہے تو اس کو اس کے مذہب کی وجہ سے جانا جاتا ہے، والدین کی وجہ سے اس کا خاندان اس کا نسب وجود میں آتا ہے۔

نسب اولاد:

نسب اس قانونی تعلق کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان عقد شرعی کے نتیجے میں تولد کے بعد اولاد کا اپنے والدین کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، نسب کی دو اقسام ہیں۔

ا۔ پدری:

جو نسب والدین کے درمیان ازدواجی تعلق کی بناء پر ثابت ہوتا ہے وہ پدری کہلاتا ہے۔

۲۔ مادری:

یہ نسب اس عورت سے قائم ہوتا ہے، جس کے بطن سے اولاد پیدا ہوئی بلالحاظ اس امر کہ اس کی ماں کا تعلق اس شخص کے ساتھ قانوناً جائز تھا یا نہیں۔ اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ فعل زنا کا مرتکب ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں حمل ٹھہر جائے تو وہ اولاد صرف اس عورت کی قرار دی جائے گی اور اپنے قانونی حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین کے لئے بھی اس عورت کے تابع رہے گی اور از روئے قانونِ شریعت اس مرد کی اولاد قرار نہ دی جائے گی۔ اور نسب کے ساتھ ہی اولاد کی صحیح النسبی مسلم ہو جاتی ہے اور پھر وہ تمام حقوق و ذمہ داریاں جو والدین اور اولاد کے درمیان ہوتی ہیں، شرع کی طرف سے ایک دوسرے پر عائد ہوتی ہیں۔ (۳)

چنانچہ جو اقرار بالنسب ایک بار کر لیا جائے اس سے رجوع نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ارشاد ربانی ہے کہ:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (۴)

تم لوگوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہی زیادہ انصاف ہے۔

اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کو صحیح نسب دیا جائے گا، تاکہ وہ معاشرے میں باعزت زندگی گزار سکے۔

زندہ رہنے کا حق:

اولاد کے ساتھ بدسلوکی کا سب سے بدترین معاملہ وہ تھا جو زمانہ جاہلیت میں اس کو زندہ درگور

کرنے یا قتل کرنے کا جاری تھا، تو آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ (۵)

افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔

اولاد کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔ چاہے وہ صحیح النسب ہو یا نہ ہو، اس کا قتل کرنا، انسانیت کا قتل کرنا ہے، اور آج کے اس بے حیائی اور فحاشی کے دور میں کثرت زنا کہ نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کا قتل ایک عام سی بات بن چکی ہے۔ اس کا قتل کرنا تو آج کے معاشرے میں کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جب ایک زانیہ اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے اپنے اوپر حد لگوانے کا مطالبہ کرتی ہے، تو آپ ﷺ اس کو مہلت عطا فرماتے ہیں، جب تک کہ ولد الزنا کا تولد نہ ہو جائے اور جب اس کی پیدائش ہو جاتی ہے، تو ایک بار پھر وہ خاتون حد لگانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ تو بارگاہِ رسالت سے ایک بار پھر اس کو مہلت عطا کی جاتی ہے، تاکہ اولاد کی مدت رضاعت مکمل ہو جائے، اور جب مدت رضاعت کے بعد وہ تیسری بار مطالبہ کرتی ہے تب اس پر حد جاری کی جاتی ہے۔ (٦)

یہ تو وہ دور تھا جبکہ دین اسلام کا چراغ روشن تھا، علم و عمل والے لوگ موجود تھے اور اگر جرم سرزد ہو جاتا تھا تو حد بھی خود لگوانے آتے تھے۔ تاکہ پاک ہو جائیں، آج کا دور تو بے انتہا (۷)

فحاشی و عریانی کا دور ہے، اور اس دور کے بارے میں ارشاد پاک ہے:

جب زنا پھیل جائے گا تو فقر و مسکنت اور ذلت بھی عام ہو جائے گی۔ (۸)

ارشاد مبارکہ ہے کہ یہ اُمت ہمیشہ خیریت سے رہے گی اور اس پر ہمیشہ خیر سایہ فگن ہوگی، جب تک ان میں ''ولد الزنا'' کی کثرت نہ ہوگی۔ جب حرام کی اولاد کثرت سے پیدا ہونے لگے گی تو پھر اندیشہ ہے کہ تمام امت پر عذاب نازل ہو جائے۔ (۹)

اسی سبب سے شریعت اسلامیہ نے زنا کے معاملے میں بے حد تشویش کا اظہار کیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (۱۰)

زنا کے قریب مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔

آج کے معاشرے میں اسقاط حمل اور مانع حمل کے نت نئے طریقے موجود ہیں۔ جبکہ نوع انسانی کے لئے یہ حرکتیں بہت قبیح ہیں، کیونکہ ایسا کرنا نسلوں کا از خود صفایا کرنا اور قوم کو تیزی سے تباہی کے کنارے لے جاتا ہے، اور افراد کی تدریجی کمی سے قوم کو ذلت و نکبت سے دوچار کرتا ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس خواہش کی تخلیق کا واحد مقصد نوع انسانی کی بقا تھا۔ لہٰذا اولاد کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے، اور جس شخص کی اولاد ہو اس کو چاہئے کہ اس کا نسب بتائے اور اس کو معاشرے میں ایک اچھے فرد

سے آشنا کرائے۔

اچھے ناموں سے پکارنا:

نام ایسی چیز ہے جس سے انسان کی شخصیت بنتی اور بگڑتی ہے، اس لئے ہمارے مذہب اسلام میں نام کو خاص اہمیت دی گئی ہے، اور بچہ کا اچھا نام رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی کا غلط نام دیکھتے تو بدل دیتے تھے، ایک بچی کا نام عاصیہ تھا، اس کا نام آپ ﷺ نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ اسی طرح عبداللہ، عبدالرحمن نام جن میں عبدیت کا اظہار ہو رہا ہو، آپ ﷺ نے رکھدئے۔ (۱۱)

نام کا اثر انسان کی شخصیت میں بھی آتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اِسْمُهُ يَحْيٰى (۱۲) سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ (۱۳)

مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی، روحانی، علمی اور اخلاقی حیثیت سے غیر معمولی بنایا تھا، اور ان کا مرتبہ سب سے الگ اس بناء پر بھی ہوا کہ ان کی والدہ نے ان کو پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا۔

یحییٰ علیہ السلام لذات و شہوت میں التفات نہ رکھنے والے، عبادت میں مشغول رہنے والے اور عورتوں کی طرف التفات نہ رکھنے والے تھے۔

اسی طرح برے ناموں اور القابات سے پکارنے سے سختی سے ممانعت آئی ہے، لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (۱۴)

اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے پر، اور مت نام رکھو چڑانے کو ایک دوسرے کا، ایمان کے بعد برا نام گنہگاری ہے۔

برے القابات سے پکارنا بہت گناہ کی بات ہے، اولاد کے معاملے میں تو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اولاد کو کسی بھی ایسے لقب یا نام سے نہ پکارا جائے جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہو، یا وہ کسی بھی احساس کمتری کا شکار ہو، مذہب اسلام ہر اس لقب سے انکار کرتا ہے، جس سے کسی کی عزت و وقار میں کمی آئے، اور بچوں کو برے نام سے پکارنا یا اس کے عیب کو دیکھ کر کالا، کانا، بھینگا وغیرہ کہنا سخت منع ہے۔ بلکہ اگر انسان میں کوئی برائی موجود تھی، اور اس نے وہ برائی اپنے اندر سے ختم کرلی ہو، تو بھی اس کو عار دلانا جائز نہیں ہے، بلکہ بچوں کے سامنے والدین کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ بدکلامی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ شوہر اور بیوی دونوں کو چاہئے کہ وہ بہت اچھے طریقہ سے گفتگو کریں۔ ایک دوسرے

کی بے عزتی نہ کریں اور ایک دوسرے کے گھر والوں کی بھی عزت کریں، تا کہ اولاد بھی ان کی قدر کرے اور ان کے مرتبے کو پہچانے اور صلہ رحمی کی عادت پیدا ہو، اور آپس کے جھگڑوں سے نجات پا سکیں۔

بعض والدین ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرتے ہیں اور بچوں کو بھی گالی دے کر بلاتے ہیں، جس سے گھر کا ماحول بہت خراب ہو جاتا ہے۔ اور بچے سنتے ہیں تو ان کو اس کا مطلب تو پتہ نہیں ہوتا، لیکن سیکھ لیتے ہیں اور بلا کراہیت ایسے الفاظ کہتے ہیں جن پر حد جاری کرنے کا حکم ہے۔

کچھ والدین تو جان بوجھ کر اپنے اولاد کا انکار کرتے ہیں اور اپنی بیوی پر تہمت لگاتے ہیں، ایسے مردوں پر اسلام با قاعدہ جرم ثابت کرتا ہے: ''لعان'' نیک عورت پر تہمت لگانے کی سزا ہے اور ایسے شخص سے اس کی بیوی کو جدا کر دیا جائے گا۔

رضاعت کا حق:

اولاد کا حق رضاعت دو سال تک ہے، جس کی کلام اللہ میں خاص تلقین کی گئی ہے، لہٰذا ارشاد ربانی ہے کہ:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ (۱۵)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر بچے کا حق ہے کہ دو برس تک اس کو دودھ پلایا جائے، اور دودھ پلانا ماں پر واجب ہے، اگر آج کے معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بچے کو اس کا حق دیا جا رہا ہے؟ کیا اس کو اس کے حق سے محروم تو نہیں کیا جا رہا؟ جس کے نتیجے میں اولاد والدین کے ساتھ بدسلوکی کر رہی ہے؟ اور نافرمانی کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے؟

اگر سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ماں کا دودھ ایک مکمل غذا ہے، جس کے ذریعے بچے کی مکمل جسمانی نشوونما ہوتی ہے، اور اس کے بغیر بچہ صحیح جسمانی نشوونما حاصل نہیں کر سکتا اور ماں کے دودھ کا نعم البدل بھی کوئی نہیں ہے۔ مگر آج کی ماں ہے کہ اس کو اس بات کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے، اور بڑے فخر سے ڈبہ کا دودھ نیڈو اور دوسرے دودھ مہنگے سے مہنگا ڈبہ کا دودھ پلا کر فخر محسوس کرتی ہیں، اور سمجھتیں ہیں کہ انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا ہے، جب ایک ماں دودھ پلاتی ہے تو گویا کہ وہ اپنا ایک جز بچہ کہ جسم میں منتقل کرتی ہے، جس کے نتیجے میں بچہ کہ دل میں ماں کی شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ اس کا کردار بھی منتقل ہو جاتا ہے اور بچہ ماں جیسی عادات کا مالک بن جاتا ہے۔

عرب میں تو رواج تھا کہ بچوں کو مدت رضاعت تک خوراک کے ساتھ ساتھ آب و ہوا و ماحول بھی ایسا دیا جاتا تھا وہ مضبوط اعصاب کا مالک بن چکا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مشہور واقعہ ہے دائی حلیمہ سعدیہ کا جب وہ اپنی ساتھی خواتین کے ساتھ مکہ آئیں تھیں اور ان کی ساتھی خواتین معقول معاوضہ ملنے کی اُمید پر معززین مکہ کے شیر خوار بچوں کو لے گئیں تھیں اور حلیمہ سعدیہ کو امیر گھرانے کا بچہ نہ مل سکا تو مایوس ہوگئیں اور خالی ہاتھ جانا گوارہ نہ کیا تو جناب عبداللہ کے فرزند جو کہ یتیم اور غریب ماں کے بیٹے تھے کوئی معقول معاوضہ ملنے کی بھی توقع نہ تھی، جب محمد ﷺ کو لے کر چلیں تو آپ ﷺ کے فیوض و برکات دیکھ کر حیران رہ گئیں۔(۱۶)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے جب نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اتنی برکتیں عطا فرمائیں کہ محمد ﷺ بھی سیر ہو کر پیتے تھے اور ان کے رضاعی بھائی بھی حالانکہ اس سے پہلے بقول حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ان کے اپنے بیٹے کے لئے بھی دودھ ناکافی ہوتا تھا۔

اگر بیوی مدت رضاعت مکمل نہیں کرنا چاہتی یا کسی وجہ سے نہ کر پائے تو والد کی ذمہ داری ہے کہ اُجرت دے کر بچہ کی مدت رضاعت مکمل کرائے، اس کو محروم نہ کرے، اس کا حق ادا کرے، تاکہ بچہ بھی والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے: جیسا بوگے ویسا کاٹو گے۔

رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، جب کسی عورت کا دودھ کسی ایسے بچے کے پیٹ میں چلا جائے، جس کی عمر دو سال یعنی چوبیس ماہ سے زیادہ نہ ہو۔ حدیث مبارکہ ہے:

لا رضاع إلا ما فتق الامعاء و كان قبل لحولين (۱۷)

دودھ معدے میں نہ پہنچے اور بچے کی عمر دو سال سے کم نہ ہو تو یہ رضاعت اور دودھ پینا نہیں ہے۔

شرعی دودھ پینے کا رشتہ تحریم نکاح کا موجب ہے، جیسا کہ ارشاد مبارکہ ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (۱۸)

اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں۔

جو عورتیں حرام ہیں ان میں تمہاری وہ مائیں ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یحرم بالرضاع مایحرم من النسب(۱۹)

جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ سب دودھ پینے سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

ان کی سات قسمیں ہیں:

① ماں : خواہ وہ ازدواجی رشتہ سے ماں ہو، یعنی ساس، اس میں دادی، سوتیلی دادی، نانی، پرنانی وغیرہ شامل ہیں۔

② بیٹی : حقیقی بیٹی، ازدواجی رشتہ سے بیٹی ہو بالواسطہ، نواسی اور پوتیاں شامل ہیں۔

③ بہن : حقیقی بہن یا سوتیلی بہن، بھانجیاں۔

④ بھانجی : تمام بھانجیاں خواہ نیچے درجہ کی ہو۔

⑤ بھتیجی : تمام بھتیجیاں خواہ حقیقی بھائی کی ہوں یا رضاعی بھائی کی۔

⑥ پھوپھی: خواہ حقیقی ہو، سوتیلی ہو یا رضاعی رشتہ سے۔

⑦ خالا : خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلی یا رضاعی۔(۲۰)

رضاعت کی وجہ سے جو رشتہ قائم ہو جاتا ہے، اس کی تعظیم بھی واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ سے بہت محبت کرتے تھے، بچہ کو دودھ پلوانا صرف ماں کی ذمہ داری نہیں ہے۔(۲۱)

بلکہ باپ کی بھی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ(۲۲)

لہٰذا باپ کی ذمہ دار ہے کہ وہ بچے کو اس کے حق سے محروم نہ کرے، اگر ماں کسی وجہ سے رضاعت کا حق ادا نہ کر پائے تو باپ اُجرت پر دودھ پلوانے کا ذمہ دار ہے۔(۲۳)

اگر کوئی مرد بخالت کی وجہ سے اپنی اولاد اور بیوی کی جائز ضرورتوں کے لئے اپنی حیثیت سے کم دے تو عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کی لاعلمی میں اس کی دولت سے اس کی حیثیت کے مطابق بقدر ضرورت لے لیا کرے۔ فتح مکہ کے دن ابوسفیان کی بیوی ہند نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ:

یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان بخیل آدمی ہے، وہ مجھے میری ور میرے بچوں کی ضرورت سے کم دیا کرتے ہیں، کیا کہ میں ان کے مال میں سے ان کی لاعلمی میں کچھ لے لوں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم قاعدہ کے مطابق اتنا لے سکتی ہو جو تم اور

تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو۔(۲۴)

دنیا کے آخری معلم کی تعلیمات میں حکم خداوندی اور عقلی دقیقہ رسی فرمان الٰہی اور اخلاقی نکتہ وری، امر ربانی اور حکم فطرت کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔

اولاد پر خرچ کرنے پر بھی ثواب کا مستحق ہے، لیکن اس کی بھی حدود مقرر ہیں۔ اپنی اولاد کو آسائش و آرائش کا اتنا عادی نہ بنایا جائے کہ وہ اس کے لئے مصیبت بن جائے اور ان آرائش و آسائش کے بغیر ان کو زندگی ادھوری لگے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو چند ضرورت کی چیزوں کے سوا کچھ نہیں دیا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جناب فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے چکی پیسنے کی تکلیف کی شکایت کی تھی، جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے، جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مطالبہ سنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، جبکہ ہم اپنی خوابگاہ میں جا چکے تھے۔ تو آپ ﷺ کو دیکھ کر اٹھنے لگے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا! اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ اس کے بعد سرور کائنات ﷺ بھی بیٹھ گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پاؤں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی، اور فرمایا! تم نے جو چیز مجھ سے طلب کی ہے اس سے اچھی چیز تم کو بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب تم اپنی خوابگاہ میں جاؤ تو ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرو اور یہ دعا تمام ان چیزوں سے بہتر ہے جس کی تم لوگ خواہش کرتے ہو۔(۲۵)

بچے کی پرورش:

ماں کے نہ ہونے یا اپنے حق سے دستبردار ہو جانے یا شرعاً غیر مستحق قرار دیئے جانے کی صورت میں سات سال سے کم عمر لڑکوں اور نابالغ لڑکیوں کی پرورش کا حق مندرجہ ذیل خواتین کو علی الترتیب حاصل ہوگا۔

① نانی، ② دادی، ③ حقیقی بہن، ④ اخیانی بہن، ⑤ علاتی بہن، ⑥ ان کی بیٹیوں کو، ⑦ خالہ، ⑧ پھوپھی۔(۲۶)

بچہ کی پرورش کرنا والدین کے حق میں سے ہے۔ اگر رشتہ زوجیت بوجہ طلاق یا موت ختم ہو جائے تو پہلے مادری رشتہ داروں کو فوقیت دی جائے گی، پھر دیگر رشتہ داروں کو۔ جیسا کہ مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں رشاد ربانی ہے۔ **وکفلھا زکریا** زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے، اور انہوں نے بہترین کفالت کا حق ادا کیا، فتح مکہ کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا، اور آواز دی اے چچا! اے چچا تو اس بچی کا ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اپنے چچا

کی بیٹی کو لے لو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اٹھالیا، اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس کو لے لیا ہے کہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ اور زید نے کہا کہ وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا، خالہ ماں کے درجے میں ہے۔ (۲۷)

بچے کی پرورش کرنے کے لئے لازم ہے کہ پرورش کرنے والا بالغ اور عاقل ہو اور بچے کی مناسب پرورش پر قادر ہو، اور اس شخص میں کوئی ایسا امر مانع موجود نہ ہو جو اسے بچے کی پرورش کے ناقابل بنا دے۔ مکلف ہو، امین ہو، پرورش پر قادر ہو، متعدی امراض سے محفوظ ہو، بچہ کا ولی ہو۔ (۲۸)

بچہ کی پرورش کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچہ کو ایسا اخلاق سکھائے اور ایسا ماحول دے کہ جب وہ بالغ ہو جائے تو معاشرے کے لئے باکردار اور باصلاحیت شخصیت کا مالک ہو، لہٰذا اس ضمن میں قرآن کریم غیر مسلم کے ساتھ تعلقات اور مناکحت کے بارے میں خاص احکامات دیتا ہے، سورہ مائدہ میں اہل کتاب سے نکاح کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ (۲۹)

اور پاک دامن عورتوں میں سے جن کو دی گئی کتاب، تم سے پہلے جب دو ان کو مہران کے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو۔ حلال ہیں۔

انتخاب نکاح:

مسلمان عورت سے نکاح کرنا چاہئے، نکاح کا مقصد ''حصول اولاد'' ہے، اور نیک اولاد کا حصول اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے، جب عورت نیک اور پاک دامن ہو اسی لئے اس نص قرآنی میں "الْمُحْصَنٰتُ" کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی ہیں عفیف و پاکدامن خواتین۔ لہٰذا پاک دامن عورت سے ہی نکاح قائم کیا جائے، بدکار اور فاسق عورتوں سے نکاح کا رشتہ جوڑنا کسی شریف مسلمان کا کام نہیں، ایسی عورتوں سے نکاح کرنا دین و دنیا کی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (۳۰)

مشرکہ سے تو نکاح حلال ہی نہیں ہے۔ اگر کسی نے کر بھی لیا وہ منعقد ہی نہیں ہوگا، کسی بھی قوم

کی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ سوائے یہود و نصرانی کے بلکہ اُن سے بھی مکروہ ہے۔

ایک مرتبہ میمون بن مہران نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں آباد ہیں، جہاں اہل کتاب زیادہ رہتے ہیں، تو کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں یہ دونوں آیتیں پڑھ کر سنا دیں۔ تو حضرت میمون نے فرمایا کہ یہ آیات تو میں بھی پڑھتا ہوں، آپ حکم شرعی بتا دیجئے، تو حضرت عبداللہ نے پھر بھی آیات تلاوت فرما دیں، اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا، جس کا مطلب ہے آپ رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اطمینان نہیں تھا۔

اہل کتاب خواتین سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت اسلامیہ کے لئے از روئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوگی۔ لہٰذا اہل کتابیہ سے نکاح مکروہ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے۔ اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو اُن کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہو جائیں، یا ان کے حُسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں، مگر فاروقی نظر دور بین اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو مجبور کرتی ہے۔ اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہو تو اندازہ کیجئے ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔ (۳۱)

الغرض قرآن و سنت اور اسوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے پرہیز کریں۔ اگر کوئی شخص رکھنا ہی چاہتا ہو تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں اُن کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں، ان کو داشتہ کی طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں۔

نفقہ اولاد:

اسلام سے قبل عرب میں والدین پر اپنے بچوں کے (۳۲) نفقہ کی ذمہ داری نہ تھی، بالخصوص لڑکیوں کو تو منحوس شمار کیا جاتا تھا، اور زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔ اسلام جہاں نفس انسانی کی عظمت پر زور دیتا ہے، وہاں انسانی جان کے تحفظ کے قواعد بھی مرتب کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام اہل و عیال کہ نفقہ کو ایک عبادت قرار دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارکہ ہے کہ:

جب مسلمان اپنے بیوی بچوں پر ثواب سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے

صدقہ ہو جاتی ہے۔

یعنی بیوی اور بچوں کی ذمہ داری ادا کرنا عبادت ہے، اور ایسا شخص قابل تعریف ہے، جو اپنی ذمہ داری خود اُٹھاتا ہے اور دوسروں پر اپنا بوجھ نہیں ڈالتا۔

باپ اپنے بیٹوں کے بالغ اور بیٹیوں کے نکاح ہو جانے تک حسب استطاعت نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا۔

باپ صرف صحیح النسب اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا، والدین کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کہ نفقے کی ذمہ داری بشرط قدرت ان کے دادا پر عائد ہوتی ہے، اسی طرح باپ کے مفلس ہونے کی صورت میں نفقہ کی ذمہ داری ماں پر بقدر استطاعت ہوگی، مگر جیسے ہی وہ مفلسی سے نکلے گا وہ ذمہ دار ہوگا۔

آج کے مرد نے اپنی اس ذمہ داری کو اپنے بیوی پر ڈال رکھا ہے اور خود آزادی سے گھومتا ہے، جبکہ مذہب اسلام نے تو مرد کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (۳۳)

نگہبان کون ہے اور اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں، اور کس طریقے سے یہ حق ادا ہوگا؟ اس سلسلے میں فرمایا جس نے شفقت، نگہداشت، سرپرستی، حفاظت، جانی و مالی تکالیف اور بیوی بچوں کے ساتھ حُسن سلوک کا حق ادا کیا تو وہ قابل تعریف ہے۔ اور مرد ہی قوامیت پر زیادہ قادر ہے اور وہی خاندان کے مصارف کا بار اٹھانے کا ذمہ دار بھی ہے، کیونکہ خاندان کہ ادارے اور اس سے وابستہ افراد کے لئے معاش کا نظم قوامیت میں داخل ہے اور اس سلسلے میں مال میں تصرف اس کے وظیفہ حیات کی فطرت سے قریب تر ہے، عورت چاہتی ہے کہ خاندان کی قوامیت اس کی فطری بنیاد پر استوار ہو، چنانچہ جب وہ ایسے مرد کے ساتھ زندگی گزارتی ہے جو قوامیت کی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتا اور اس کی لازمی صفات اس کے اندر کم ہوتیں ہیں، اور وہ خود عورت کو یہ ذمہ داری سونپ دیتا ہے تو عورت کو محرومی، کوتاہی، اضطراب اور بدبختی کا احساس ہوتا ہے، جسکا اثر بچوں پر پڑتا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، اور جس کا اعتراف خود ان کج رو خواتین کو بھی ہے جو اندھیروں میں بھٹکتی پھر رہی ہیں، جس گھرانے میں قوامیت مرد کے لئے نہیں ہوتی، ماں کی شخصیت بچے پر چھائی رہتی ہے یا باپ کی وفات کہ بعد بچہ باپ سے محروم رہ جائے تو اس کی صحیح نشو ونما نہیں ہوتی ایسا بچہ اعصابی، نفسیاتی، عملی و اخلاقی روش میں عموماً کجیوں اور نقائص کا شکار ہوتے ہیں۔ (۳۴)

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کو اجتماعی واجبات کے لئے پیدا کیا ہے، اور حاجات انسانی کو اس طرح مربوط کیا ہے کہ یہ کارخانہ باہمی اشتراک و اعانت کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اس عالم

میں ایک جاندار بھی ایسا نہیں رہنا چاہئے جو حق معیشت سے محروم ہو۔ ہر شخص کا انفرادی حق ہے کہ وہ زندہ رہے اس لئے حق معیشت میں یہاں سب مساوی ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ معاشی زندگی کے لئے سب کو ملے مگر برابر ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (۳۵)

ور اللہ نے رزق (و دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

لیکن درجات معیشت کی اس کمی کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے جو کچھ کمایا ہے وہ سب اس کا انفرادی حق ہے۔ نہیں بلکہ جو جس قدر کمائے گا اسی قدر اس کی دولت میں اجتماعی حق زیادہ ہوگا۔ جو شخص اپنی دولت و ثروت کو صرف انفرادی ملک سمجھتا اور اس میں سے دونوں حقوق اللہ یا حقوق العباد کا انکار کرے تو اس کا انجام بھی بخیر نہیں ہوتا، اور وہ اللہ کے غضب کا مستحق قرار پاتا ہے۔(۳۶)

لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ (۳۷)

اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔ اور فضول خرچی سے مال نہ اُڑاؤ۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَاءِكُمْ (۳۸)

تمہارے کمزور لوگوں کے طفیل اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مدد کرتا ہے اور تمہیں رزق دیتا ہے۔

آیت مبارکہ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ رزق دینے میں پہلے مستحق وہ ضعیف بچے ہیں جو خود کچھ نہیں کر سکتے۔ انہیں کے طفیل تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (۳۹)

اور افلاس (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا، کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس وجہ سے قتل ہونے والے بچوں کا تحفظ کیا اور اس مذموم رسم کا خاتمہ کیا، اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ تم اپنے رزق کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، وہ تم کو دیتا ہے، تو تم بچوں کو دیتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ تم کو نہ دے تو تم ایک گیہوں یا چاول کا دانہ خود پیدا کر کے دکھاؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا:

يَاۤ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ (۴۰)

اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔

اے پیغمبر! تم اور تمہاری امتیں نفیس چیزیں کھاؤ۔ (۴۱)

حلال کمانے کو عبادت قرار دیا گیا ہے، اور حرام کمانا جہنم کمانا ہے۔ حلال روزی کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور حرام کمائی سے پلنے والے جسم کو جہنم کی خوراک کہا گیا ہے، لہٰذا نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب آدمی اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ حلال یا حرام کس ذریعہ سے اس نے مال حاصل کیا۔ (۴۲)

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو آج کے معاشرہ میں صرف رشوت اور سود بازاری ہی نظر آتی ہے، جس شخص کو جہاں بھی موقع مل جائے وہ حرام خوری سے باز نہیں آتا، حرام کمائی کی کثرت ہے اور حلال کمانے والا تو بیچارہ منہ ہی دیکھتا رہ جاتا ہے، اگر کوئی شخص خود کو حرام کمائی سے بچانے کی کوشش کرتا بھی ہے تو اس کو دشمنی مول لینی پڑتی ہے۔ گویا کہ حلال کمانا ہی جرم ہے، جس بھی ادارے میں دیکھ لو، وہاں پر حلال کمانے والے بہت کم ملیں گے، رشوت خور اور سود خوروں کی بھر مار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد نافرمان پیدا ہو رہی ہے، یہی قیامت کی نشانی ہے کہ: "باندی اپنے آقا کو جنے گی" آج کے دور میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اولاد نے والدین کو کس طرح اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

ارشاد مبارک ہے کہ:

حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان میں شبہ کی چیزوں سے بچے، اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو شخص شبہوں میں مبتلا ہو جائے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے جانور شاہی چراگاہ کے قریب چر رہا ہو۔ جس کے متعلق اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک دن اس کے اندر بھی داخل ہو جائے گا۔ لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے اور اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ (۴۳)

لہٰذا یہ بات تو واضح ہے کہ حلال کمائی سے پلنے والی اولاد ہی والدین کی عزت کرتی ہے، اور ان کی اخلاقی تربیت بھی اچھی ہوتی ہے، اور حرام کمائی سے پلنے والی اولاد معاشرے کے لئے ایک ناسور ہوتی ہے۔ جو پورے معاشرے میں چور بازاری اور فسادفی الارض کا سبب بنتے ہیں۔

اولاد کے اخراجات کا ذمہ دار ان کا باپ ہے۔ باپ کے مفلس ہونے کی صورت میں نفقہ کی ذمہ داری ماں پر بقدر استطاعت ہوگی، مگر جیسے ہی وہ مفلسی سے نکلے گا وہی ذمہ دار ہوگا، (۴۴) مگر آج

کے معاشرے کا مرد تو یہ دیکھ کر شادی کرتا ہے کہ لڑکی کمانے والی ہو۔ اچھی تنخواہ ہوتا کہ اس کی ذمہ داری کا بوجھ بھی مرد کو اٹھانا نہ پڑے تو اولاد کی ذمہ داریوں کا بوجھ تو اس کا ذمہ ہوگا ہی نہیں، اور حقیقتاً بھی ایسا ہی ہوتا ہے، اگر کوئی لڑکی نوکری والی مل جاتی ہے تو مرد اپنی ذمہ داریوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے، اور صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کے لئے تمہارے پاس مال موجود ہے، بلکہ میرے والدین کو بھی اس میں سے حصہ دے دیا کرو، جبکہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

> تم میں وہ شخص اچھا ہے جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہو، اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے اہل وعیال کے لئے اچھا ہوں۔(۴۵)

رسول اللہ ﷺ اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہترین اس لئے تھے کہ انہوں نے اپنے تمام حقوق ادا کئے تھے۔ اپنی ازواج کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ بہترین حسن سلوک کیا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پرورش اور باقی اولاد کی کفالت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرا پیشہ اہل وعیال کے لئے ناکافی تھا، مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوگیا ہوں، تو ابوبکر کی اولاد اس مال سے کھائے گی اور ابوبکر اس کام کی نگہبانی کریں گے۔(۴۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی خیانت نہ کی نہ کبھی پر آسائش زندگی کی طلب کی، ہمیشہ اپنی اولاد کے حقوق ادا کرتے رہے۔

اگر عورت کا شوہر غائب ہو جائے باپ اور بچہ یا ماں کا مال موجود نہ ہو تو عورت حسب ضرورت اور دستور کے مطابق اپنے اور بچوں کے گزارے کے لئے باپ کے نام پر قرض لے کر گزارہ کر سکتی ہے، اور باپ واپس آ کر اس قرض کو ادا کرے گا۔(۴۷)

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ (۴۸)

اولاد کی ذمہ داری باپ کے ذمہ ہے، بیٹا کا نفقہ اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے، اور کمانے کے لائق نہ ہو جائے، اور جب تک وہ طالب علم نہ ہو، اور لڑکی کا جب تک اس کا نکاح نہ ہو۔(۴۹)

بچہ کی کفالت:

لڑکا اگر طالب علم ہے تو اس کی تعلیم مکمل کرانا والدین کی ذمہ داری ہے، زمانہ طالب علمی میں اس پر کمانے کی ذمہ داری نہ ڈالی جائے، جب تک کہ والدین اس کا خرچہ اُٹھانے کی استطاعت رکھتے ہیں، اگر والدین اس کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں تو وہ صرف اپنی تعلیم پر توجہ دے نہ کہ دوسرے

کاموں میں، بلکہ اگر والدین کا ہاتھ بٹا سکتا ہے تو کوشش کرے کہ ان پر سے بوجھ کم کردے۔

مگر والدین کمائی پر لگا کر بچہ کو تعلیم سے محروم نہ کریں، ہمارے معاشرے میں لڑکا تو کیا بے چاری لڑکیاں بھی اپنے تعلیمی اخراجات کے لئے خود کماتی ہیں، اور پھر اپنی تعلیم مکمل کرتیں ہیں۔ والدین بچوں کے ساتھ بہت ناانصافی کررہے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو مزدوری پر لگاتے ہیں، اور جب وہ کما کر لاتے ہیں تو ان کے پیسے ان پر خرچ نہیں کرتے، زمانہ طالب علمی میں والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچہ کا خاص خیال رکھیں اور ان کا ذہن کمائی پر لگا کر ان کو تعلیم سے مستفید ہونے سے محروم نہ کریں، اس لئے بچہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ ڈگری ہونا کافی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں ہر ایک چیز کی حدود متعین ہیں، لہٰذا والدین پر خوراک، لباس، مکان، تعلیم، علاج اور جن اشیاء کا عرف کے تحت ضروری ہونا معتبر ہے، نفقہ میں شامل ہوں گی۔

جب بچہ سات سال کی عمر تک پہنچ جائے تو اس عمر میں اہلیت وجوب کامل ہوجاتی ہے، لہٰذا اس کے جو حقوق اس پر اور دوسروں پر ہیں وہ ثابت ہیں، اور اہلیت ادا ناقص ہوگی عقل کی کمی کی وجہ سے، لہٰذا اس کی بدنی عبادات کے ادا کرنے پر اس کو درست مانا جائے گا، کیونکہ اس میں صرف نفع ہے اور اگر نقصان ہو، جیسے ہبہ، اور وصیت تو یہ تصرفات بچے کی طرف سے درست نہیں ہوں گے، بلکہ منعقد ہی نہیں ہوں گے، اور تصرفات جو نفع اور نقصان کے درمیان ہیں، اپنی اصل وضع کے اعتبار سے، جیسے بیع، اجارہ، مالی تصرفات، جن میں عوض ہو، یہ معاملات نفع ونقصان دونوں کا احتمال رکھتے ہیں، اگر ایسا بچہ ان تصرفات کو کرے جو اشیاء کی تمیز کرسکتا ہے، تو یہ تصرفات درست ہوں گے، اور اگر اس میں اہلیت ناقص ہو تو یہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے لہٰذا ولی کی اجازت ہوگی تو تصرفات درست ہوں گے، اور اگر اس میں اہلیت ناقص ہو تو یہ ولی کی اجازت ہر موقوف ہوں گے، لہٰذا ولی کی اجازت ہوگی تو تصرفات کا اعتبار ہوگا۔

سات سال کی عمر میں بچہ میں وہ صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، کہ وہ جو سیکھ سکتا ہے، صاحب استطاعت لڑکا چاہے بالغ ہو یا نابالغ اپنے والدین کا نفقہ اٹھا سکتا ہے۔ خواہ وہ والدین کسب معاش پر قادر ہوں، اس طرح اگر کوئی نابالغ بچہ کے حق میں ہبہ کرے تو وہ ہبہ جائز ہوگا۔ سات سال کی عمر کے بعد ولی اگر بچہ میں صلاحیت اور قدرت محسوس کرے تو بچہ کو تجارت کی اجازت دینا جائز ہے، اس عمر میں میں بچہ کے تمام تجارتی تصرفات وامور اور ان کے لوازمات تصرفات صحیحہ میں شامل ہونگے، اور اس کے تمام تصرفات نافذ ہوں گے اس لئے کہ پہلے تصرفات کی اجازت دینا بعد میں دی جانے والی اجازت کے مرتبہ میں شامل ہوگی۔(۵۰)

کسب معاش کے سلسلے میں ہماری شریعت نے اولاد کے حقوق کا بہترین تعین کیا ہے، مگر تجربہ

ہے کہ والد جب دیکھتا ہے کہ اس کا بیٹا کمانے لگ گیا ہے تو وہ خود کو آزاد سمجھ کر بیٹھ جاتا ہے اور کمانے کی صلاحیت ہونے کے باوجود بیٹے کی کمائی پر عیش کرنے لگتا ہے، اس کے سارے پیسے لے کر اپنی عیاشیوں میں لگا دیتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیٹا بدظن ہو کر الگ ہو جاتا ہے اور ایسے والدین جو نشہ اور جُوا جیسی لعنت میں پڑے ہوئے ہوں وہ تو اپنے بچوں پر ہی بوجھ بن جاتے ہیں، معزز گھرانوں کے لوگ ایسے گھرانوں میں اپنی بیٹیاں دینا بھی پسند نہیں کرتے، تو لڑکے بھی تنگ آ کر غلط روش اختیار کر لیتے ہیں، پھر ایسے باپ کے بچے ہی چور، ڈاکو بن کر بن موت مارے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (۵۱)

اور جان لو تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔

مال اور اولاد فتنہ کب بنتی ہے، جب ان کا استعمال غلط ہوتا ہے، اولاد کی پرورش غلط کی جائے اور مال کو غلط جگہ خرچ کیا جائے، اسی طرح اگر غور کیا جائے، تو اولاد کو تعلیم و تربیت نہ دینا، جس کے نتیجہ میں اللہ اور رسول ﷺ اور آخرت کی فکر سے غافل ہونا اور بداخلاقیوں اور بے حیائیوں میں گرفتار ہونا، فتنہ میں مبتلا ہونا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قتل اولاد کے حکم میں ہونا ہے، اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کو آزمائش قرار دے کر جتلا دیا ہے کہ اولاد ایک امتحان ہے، اور جب انسان امتحان دے رہا ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ پاس ہو جائے اور اولاد کی صحیح تربیت ہی کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے، ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (۵۲)

جان لو! کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا، زینت اور آپس میں برائیاں کرنی اور مال اور اولاد کی زیادہ طلب ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۵۳)

مال اور بیٹے تو دنیا کی زینت کی رونق ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں، ان کا بدلہ تیرے رب کے ہاں بہتر ہے۔

اولاد بظاہر تو رونق ہے، مگر آخرت میں اس کی تربیت ہی عذاب سے بچا سکتی ہے۔

لباس کی ضرورت پوری کرنا:

والدین جہاں اپنے اولاد کے لئے آرائش کا سامان مہیا کرتے ہیں، ان میں سب سے اہمیت کا حامل لباس ہے، اور لباس ایسی چیز ہے جس سے انسان کی شخصیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اولاد کے لباس کے بارے میں والدین کو خاص توجہ دینی چاہئے، کیونکہ انسان کی ظاہری شخصیت تو لباس سے ہی پتہ چلتی

ہے۔ بچپن سے ہی بچوں کو ایسا لباس دیا جائے کہ اس کو ستر پوشی کی عادت ہو اور اس کا جسم محفوظ بھی ہو اور شرو حیا کا پیکر بھی ہو۔

مردوں کے لئے ناف سے لے کر گھٹنے تک عورتوں کے ئے سر سے پاؤں تک ستر ہے۔ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی ہے۔ شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان کے خلاف اسی راہ سے ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کا لباس اتر گیا تھا، اور آج بھی انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان اپنے شاگردوں کے ساتھ مصروف عمل ہے، تہذیب وشائستگی اور فیشن کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے عام سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کر دیتا ہے، اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے تو وہ عورت کو شرم و حیا سے محروم کر کے منظر عام پر نیم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر نہیں ہوتی، اس لئے شریعت اسلام جو انسان کی ہر صلاح وفلاح کی کفیل ہے، اس نے ستر پوشی کا اہتمام اتنا کیا ہے کہ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی کو قرار دیا، نماز اور روزہ وغیرہ تو اس کے بعد ہے، نماز بھی ستر پوشی کے بغیر جائز نہیں ہے۔ (۵۴)

جس طرح ظاہری لباس انسان کہ قابل شرم اعضاء کے لئے اور سردی گرمی سے بچنے اور زینت حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح ایک معنوی لباس عمل صالح اور خوف خدا ہے جو انسان کے اخلاق عیوب اور کمزوریوں کا پردہ ہے، اور دائمی تکلیفوں اور مصیبتیں اٹھانے سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے وہ بہترین لباس ہے۔

اسلام نے تمدن کے اس ابتدائی سبق میں دنیا کی کتنی بڑی مدد کی ہے، دوسری طرف متمدن قومیں زیب و زینت اور حسن و آرائش اور تمدن کی بے اعتدالی سے سے بے حیائی پر اتر آتی ہیں۔ مرد گھٹنوں سے اونچا لباس اور عورتیں نیم برہنہ یا نہایت باریک لباس پہنتی ہیں۔ نماز ان کی بھی اصلاح کرتی ہے، اور متمدن قوموں کو اعتدال سے تجاوز نہیں کرنے دیتی، چنانچہ عورتوں کو تیز خوشبو لگا کر مسجد میں جانے سے منع فرمایا اور بے حیائی کے کپڑوں کے پہننے سے روک دیا ہے، اور کہہ دیا ہے کہ ستر عورت کے بغیر نماز بھی نہیں ہوگی، لہٰذا ارشاد ہوا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۵۵)

اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔

آج کے دور کی عورت کا لباس تو یہ ہوگیا ہے کہ دوپٹہ یعنی سر چھپانا تو معیوب ہے، بالوں کی نمائش اولین فریضہ بن گیا ہے، اگر کسی تقریب میں جانا ہوتا ہے، تو سب سے زیادہ بالوں کی کٹنگ اور سیٹنگ پر کام کیا جاتا ہے، یہی حال مرد حضرات کا ہے۔ جبکہ مردوں کے لئے بھی سر کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم

ہے، بلکہ مسجد جاتے وقت بھی سر نہیں ڈھانپتے۔

عورت تو ویسے ہی پر کشش ہوتی ہے، مگر اس کا لباس اس کو اور زیادہ جاذب نظر بنا دیتا ہے، خوبصورت لباس پہننا اور خوبصورت ترین نظر آنا ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے، جو خوبصورت لباس سے پوری ہو جاتی ہے، مگر شیطان نے اس کو گمراہ کرنے کے لئے یہ حربہ آزمایا کہ لباس کے بغیر اور زیادہ خوبصورت نظر آؤ گی۔ پہلے دوپٹہ اتروایا اور پھر آہستہ آہستہ لباس کم سے کمتر کروا دیا۔

مگر مرد اور والدین کس مرض کی دوا ہیں۔ عورت کو تو شیطان فوراً اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ مرد تو خود ایسا نہ کروائیں، اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے نیم برہنہ نہ ہونے دیں، والدین بچپن سے اپنی اولاد پر توجہ رکھیں، اگر بچپن سے ان کو سکھایا جائے گا تو بڑے ہو کر بھی وہ شرم وحیا کا خیال رکھیں گے اور اگر بچپن سے ان کو مغربی طرز پر ڈالیں گے تو بڑے ہو کر وہ بھی مغربی تہذیب کے دلدادہ بن جائیں گے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں سے ہوگا۔ (۵۶)

آج کے دور میں تو کوئی بھی مسلمان کہلانے کے لائق نہیں، سوائے چند لوگوں کے، کیونکہ آج کے دور کا مرد بھی لباس کے معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے، مرد کا لباس دیکھئے اتنا چست ہوتا ہے کہ نماز بھی جائز نہیں، والدین کی ذمہ داری ہے کہ ان کو تمیز سکھائیں اور ان کو اپنے لئے جہنم کا ذریعہ نہ بنائیں، اگر والدین خود اس طرز کا لباس پہنیں گے تو اولاد بھی ایسی ہی بنے گی، لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (۵۷)

بے حیائی کے جتنے بھی طریقے ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ، خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ ہوں۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے بُرے کام کے لئے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں، جس کی برائی اور فساد کہ اثرات برے ہوں اور دور تک پہنچیں، یعنی تمام بُری خصلتیں اور گناہ خواہ زبان کے ہوں خواہ ہاتھ پاؤں کے خواہ دل سے متعلق ہوں، سب اس میں داخل ہیں۔

اگر اولاد کو صحیح تربیت دی جائے گی تب ہی تو وہ صدقہ جاریہ کہلائے گی، اور اولاد آخرت کا سامان ہے، اگر اچھی تربیت ہوگی تو وہ یقیناً جنت میں اعلیٰ مقام اور رسول اللہ ﷺ کی ساتھی بن سکیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس کی ایک بیٹی ہو، پھر وہ اس کو ادب سکھائے اور کا چھی تعلیمات دے اور اس پر فراخی کے ساتھ خرچ کرے، تو وہ اس کے لئے جہنم سے پردہ ورکاوٹ ہو جائے گی۔ (۵۸)

اور کفالت و پرورش کے بارے میں فرمایا کہ:

جو شخص بیٹیوں کی کفالت کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو وہ شخص اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے (اور آپ ﷺ نے شہادت اور اس کے برابر والی انگلی کو ملایا)۔(۵۹)

اور نیک بیٹوں کے بارے میں بھی یہ ہی فضیلت ہے، نیک اولاد کے والدین کے لئے خوشخبری ہے۔ اگر آپ کسی اپنی اولاد کی زندگی میں یہ انقلاب لانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے اپنی فکر کا جائزہ لیں، اور تلاوت آیات کے ذریعے ذہن کو فاسد خیالات اور غلط نظریات سے اس کے قلب کو فاسد ارادوں اور غلط اُمنگوں اور خواہشات سے پاک کر دیں۔

اولاد کی فکر و نظریات کو ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کی محکم اساسات پر ازسرِنو تعمیر کریں اور ان کے قلب کو نورِ ایمان سے منور کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غیر صالح اعمال اور غلط عادات و اطوار پت جھڑ کے پتوں کی طرح خود بخود جھڑ جائیں گے، اور تب موزوں وقت آئے گا، شریعت کے اوامر و نواہی کی تلقین کی جائے۔ گویا اس کے وجود پر شریعت کا نفاذ عمل میں آجائے گا، اور بچے کی شخصیت میں اس انقلاب کو تمکن و استقلال بھی حاصل ہو جائے گا، یہ وہ محنت و مشقت ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے حکیمانہ انداز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

لَأن يهدِيَ اللهُ بكَ رَجُلاً واحِداً خيرٌ لكَ من حُمرِ النَّعَم

اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے۔

اور اگر آپ اس طرح تربیت کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو آپ کی حالت وہی ہوگی، جو ہمارے معاشرے میں ان بہت بڑے بوڑھوں کی ہوتی ہے، جنہوں نے اپنی نوجوان نسل کو حوالے تو اس نظام تعلیم کے کیا ہے، جس کے بارے میں غلط نہیں کہا، جس نے بھی کہا کہ

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

مخلوط تعلیمی نظام میں بھیجنے سے پہلے اولاد کی تربیت ایسی ہونی چاہئے، کہ اس سے کسی قسم کے شر کا خطرہ نہ ہو، مگر حال یہ ہے کہ تربیت کرنے سے پہلے ہی اولاد کو ایسا ماحول دے دیا جاتا ہے کہ وہ بے حیائی اور اچھائی میں کوئی فرق نہیں کرے۔

گلا گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ(۶۰)

جو والدین اولاد کو شعائر دینی کا احترام نہیں سکھاتے، ادب و آداب سے خالی رکھتے ہیں، تو کل وہی اولاد والدین کو آنکھیں دکھاتی ہے، اگر اولاد شریف اور سعادت مند ہے تو نگاہیں نیچی کر کے احتراماً کھڑا ہوگا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

> تم دوسروں کی عورتوں کے ساتھ برائی کرنے سے باز آجاؤ، تمہاری عورتوں سے کوئی برائی نہیں کرے گا، تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے گی۔(٦١)

بچوں سے حسن سلوک:

رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور اولاد کے درمیان ترجیحانہ سلوک کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، باپ لڑکے کو صرف جنس کے اختلاف کے سبب سے ترجیح نہ دے، لہٰذا ارشاد ہے کہ:

> جس کے لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ باقی رہنے دے اور اس کی بے توقیری نہ کرے، اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔(٦٢)

لڑکی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت فرما کر اس کو والدین کے لئے باعث عزت قرار دیا، جو والدین لڑکیوں کو باعث عار سمجھتے تھے یا بوجھ سمجھتے ہیں، ان کو سوچنا چاہئے کہ سرور کائنات فخر موجودات نے بیٹی کی پرورش اور اس کی بے توقیری نہ کرنے پر جنت کی بشارت دے رہے ہیں، اور لڑکوں میں بھی چھوٹے اور بڑے کے حقوق کا امتیاز شریعت محمدی میں قائم نہیں کہ ہر ایک کو اُن میں سے اپنے باپ کے ساتھ برابر کی نسبت ہے، یہاں تک کہ اگر لڑکوں میں سے کسی ایک کو بلاوجہ کوئی ایسا عطیہ دیا جائے جو دوسرے کو نہ ملا ہو تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو "ظلم" سے تعبیر فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ! ایک صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے کسی ایک کو ایک غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ اس پر رسول اللہ ﷺ کی گواہی ہو، تو انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی خواہش ظاہر کی، تو سرور کائنات ﷺ نے دریافت کیا: کیا تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے؟ عرض کیا نہیں، تو فرمایا! میں ایسے ظالمانہ عطیہ پر گواہ نہ ہوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے کتنا عدل و انصاف کا معاملہ فرمایا کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ اس سے پہلے جو زمانہ جاہلیت کا قانون رائج تھا، جو اسرائیلیوں، رومیوں، ہندوؤں اور دوسری پرانی

قوموں میں رائج تھا، اور اب بھی ہے کہ صرف بڑا بیٹا جائیداد کا مالک بنے یا اس کا کوئی ترجیحی حق ہو، اصلاح کردی گئی، اور باپ کی نظر میں اس کے تمام لڑکوں کو برابر کا منصب حاصل ہوا اور چھوٹوں پر مسلسل ظلم کا جو قانونی طریقہ چلا آرہا تھا اس کا خاتمہ ہوا۔(۶۳)

ہمارے معاشرے میں بڑا بیٹا ہر کام کا ذمہ دار ہے، اور ہر معاملہ گھریلو اخراجات کا ہو، والدین کے اخراجات ہوں، بہن، بیٹی کے اخراجات ہوں، بہن کی شادی یا رشتہ داری نبھانے کا معاملہ ہو، ہر چیز کا ذمہ دار بڑا بیٹا ہے، اور باقی بھائی عیش کر رہے ہوتے ہیں، اگر بہنیں موجود ہوں چاہے عمر میں بھائی کے مقابلے میں چھوٹی کیوں نہ ہوں، اس کی شادی نہیں کی جاتی یہ بھی اس کے ساتھ ظلم ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ ہر معاملے میں خواہ کھانے پینے سے متعلق ہو، تعلیم و تربیت سے متعلق ہو، یا شادی بیاہ سے یکساں سلوک کیا جانا چاہئے۔(۶۴)

فخر کائنات ﷺ نے کتنا عدل رکھا ہے کہ کسی بھی بچہ کو احساس کمتری یا احساس محرومی نہ ہو، اگر والدین کسی بھی معاملے میں بچہ کے ساتھ برابری کا سلوک نہ کریں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے ایک دوسرے سے نفرت وحسد کرنے لگتے ہیں۔

یہ ایک فطری عمل ہے کہ والدین کو کسی ایک بچہ سے زیادہ محبت ہوتی ہے، مگر وہ اپنے عمل سے اظہار نہ کریں، کسی ایک بچہ کو تحفہ دیا کسی کو نہ دیا، کسی کے ساتھ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کسی کے ساتھ بالکل نہیں چاہے کتنا ہی بڑا نقصان کردے، لہٰذا ایسا رویہ اپنایا جائے کہ اولاد آپس میں ایک دوسرے کی دشمن نہ بنے، نہ ہی ان میں ایک دوسرے سے حسد پیدا ہو، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہوا، حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف محبت زیادہ کی تھی تو شیطان نے اس کو ہی بہانا بنا کر بہکانا شروع کیا تھا، اور آخری حد تک لے گیا، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب پھر سے ایک ہوگئے۔

اسی طرح بیٹی اور بیٹا دونوں کی تعلیم ضروری ہے اکثر والدین بیٹیوں کو یہ کہہ کر تعلیم نہیں دلاتے کہ ان کو کونسا نوکری کرانی ہے، جو تعلیم دلائیں، لڑکے تو کما کر دیتے ہیں، جبکہ آج کے معاشرے میں تو بیٹی ہی کما کر دے رہی ہے، اور شادی کے معاملے میں بھی کچھ یہی حال نظر آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> جب ایسا رشتہ سامنے آجائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کردو ورنہ زمین میں بڑا فساد برپا ہوگا۔(۶۵)
>
> باپ کا اپنے بچہ کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ سے بہتر ہے۔(۶۶)

اسی لئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کے لئے ارشاد فرمایا:

> تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایہ کے بارے میں پوچھا جائے گا، مرد اپنی بیوی بچوں کا نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔(٦٧)

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو نیکی اور بدی میں تمیز سکھاتے ہوئے دریافت کیا، بیٹی! عورت کی سب سے اچھی صفت کونسی ہے؟ عرض کیا: عورت کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو نہ دیکھے، نہ ہی کوئی غیر مرد اس کو دیکھے۔(٦٨)

اولاد کو ہر طرح صالح اور کارآمد بنانے کی تدبیر اور دعا بھی ایک اچھے باپ کا فرض ہے۔ قرآن کریم میں ایسی دعاؤں کا کثرت سے ذکر ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ سورہ ال عمران، آیت ۳۸

۲۔ سورہ الانبیاء: آیت ۸۹

۳۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی الجامعۃ الاسلامیہ العالیہ اسلام آباد، جلد اوّل، ص ۱۴۰۷

۴۔ سورہ احزاب، آیت ۵

۵۔ الانعام: آیت ۱۵۱

۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، باب علامات قیامت

۷۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۲

۸۔ عثمانی، مولانا شبیر احمد، تفسیر عثمانی، سورہ ال عمران، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، ص ۹۳، آیت ۳۶ تا ۳۷

۹۔ سورہ الحجرات، آیت ۱۱

۱۰۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۳۲

۱۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، جلد دوم، ص ۱۲۶، ناشر: محمد سعید قرآن محل کراچی

۱۲۔ سورہ مریم آیت ۷

۱۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۶

۱۴۔ سورہ حجرات: آیت ۱۱

۱۵۔ سورہ بقرۃ: آیت ۲۳۳

۱۶۔ سلیم یزدانی، نبی کریم ﷺ، مجلس شاہ فرید کراچی، ص ۶۳
۱۷۔ محمد شفیع صاحب ؒ، مفتی، معارف القرآن، تفسیر سورہ مائدہ، ادارہ المعارف کراچی، جلد ۵: ۴
۱۸۔ سورہ نساء، آیت ۲۳
۱۹۔ بخاری، صحیح بخاری، جلد دوم، ص ۱۶۶، محمد سعید قرآن محل کراچی
۲۰۔ تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، جلد اوّل، دفعہ ۱۶۲
۲۱۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، تفسیر سورہ مائدہ، ادارہ المعارف کراچی، جلد ۵: ۴
۲۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳
۲۳۔ قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، تفسیر سورہ نساء، آیت نمبر ۴، ص ۲۶۴، البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
۲۴۔ بخاری، صحیح بخاری، باب: از الم ینفق الرجل، جلد اوّل، ص ۷۷۹
۲۵۔ بخاری، صحیح بخاری، جلد دوم، ص ۱۷۰
۲۶۔ تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، ص ۸۹۱
۲۷۔ صحیح بخاری، جلد: ۳، ص ۵۷
۲۸۔ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، جلد اوّل، ص ۸۹۶، دفعہ ۱۵۷
۲۹۔ سورہ مائدہ، آیت ۵
۳۰۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۲۱
۳۱۔ محمد شفیع، معارف القرآن، تفسیر سورہ مائدہ، ادارہ المعارف کراچی، جلد ۵: ۴
۳۲۔ محمف شفیع، تفسیر معارف القرآن، سورہ عراف، : ۲۷، ص ۵۳۵
۳۳۔ سورہ نساء، آیت ۴
۳۴۔ قطب شہید، فی ظلال القرآن، تفسیر سورۃ نساء، آیت ۴، ص ۲۶۴
۳۵۔ سورہ نحل، آیت ۱۷
۳۶۔ سیوہاروی، حفظ الرحمن، قصص القرآن، جلد دوم، سوم، دارالاشاعت، کراچی، ص ۱۴
۳۷۔ سورہ اسراء، آیت ۲۶
۳۸۔ سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب
۳۹۔ سورہ انعام، آیت ۱۵۱
۴۰۔ سورہ حج، آیت ۵۱
۴۱۔ نقوش نمبر، تعلیم نسواں، جلد ۴، شمارہ ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳، ص ۱۰۴
۴۲۔ نقوش نمبر، جلد ہفتم، جنوری ۱۹۸۴، ص ۱۰۷
۴۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، باب: ۱۳۷، ص ۴۶۶

۴۴۔ بخاری، صحیح بخاری، جلد ۲، ص ۲۲۱

۴۵۔ نقوش نمبر، جلد اول، ص ۳۶۳

۴۶۔ صحیح بخاری، باب ۱۲۸۲، ص ۷۲۵

۴۷۔ طالب ہاشمی، فاطمۃ الزہرۃؓ، ص ۱۲۹۔۱۳۲، ایڈیشن سوم، البدر پبلکیشنز، لاہور

۴۸۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳

۴۹۔ سورہ الاحقاف، آیت ۲

۵۰۔ عبدالکریم زیدان، الوجیز فی اصول فقہ، ص ۱۱۰

۵۱۔ انفال، آیت ۲۸

۵۲۔ سورہ حدید، آیت ۲۰

۵۳۔ سورہ کہف، آیت ۴۶

۵۴۔ تفسیر معارف القرآن، سورہ عراف، آیت ۷۲، ص ۵۳۵، مولانا محمد شفیع صاحبؒ

۵۵۔ سورہ مدثر، آیت ۴

۵۶۔ بخاری، صحیح بخاری، جلد دوم، ص ۷۳۰، ناشر محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل کراچی

۵۷۔ سورہ الانعام، آیت ۱۵۱

۵۸۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الادب

۵۹۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ۷، ص ۲۴۴

۶۰۔ نقوش نمبر ۷۴۳، جلد اوّل، شمارہ نمبر ۱۳۰، محمد طفیل ادارہ فروغ اردو لاہور

۶۱۔ المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث ۴۲۹۱ ، مستدرک حاکم کتاب البروصلہ

۶۲۔ سنن ابی داؤد، سلیمان بن اشعث، کتاب الادب

۶۳۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ۷، ص ۲۴۴

۶۴۔ نقوش نمبر تعلیم نسواں، جلد ۴، شمارہ ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۳، ص ۱۰۴

۶۵۔ نقوش نمبر، جلد ہفتم، جنوری ۱۹۸۴، ص ۱۰۷

۶۶۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ۴، ص ۲۴۴، محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب

۶۷۔ بخاری، صحیح بخاری، جلد اول، ص ۹۷۷

۶۸۔ فاطمۃ الزہرۃؓ، مصنف: طالب ہاشمی، ص ۱۲۹۔۱۳۲، ایڈیشن سوم، البدر پبلکیشنز ۲۳، راحت مارکیٹ،